ریاست جموں وکشمیر میں

معاصر اردو غزل

ڈاکٹر شاہ فیصل

ادب، آرٹ یا دیگر فنونِ لطیفہ انسانی جذبات وخیالات کے مؤثر ریاست جموں وکشمیر میں اردو شاعری بالخصوص اردو غزل کی ایک شاندار روایت موجود ہے اگر یہ کہا جائے کہ یہاں اردو شاعری مجموعی طور پر غزل سے ہی عبارت ہے تو غلط نہیں ہوگا۔ یہاں کے تقریباً تمام چھوٹے بڑے شاعروں نے غزل میں ہی زیادہ طور پر طبع آزمائی کی ہے۔ یہاں کی غزلیہ شاعری بعض برگزیدہ شاعروں کی بدولت اردو ادب کی مجموعی تاریخ میں ایک خاص مقام اور عنوان حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی ہے۔ اس مختصر

مقالے میں نہ جموں وکشمیر میں اردو غزل کی تاریخ کے مختلف ادوار قائم کرنے کی گنجائش ہے، نہ مختلف تحریکات کے اثرات کا تذکرہ ممکن ہے اور نہ تمام شاعروں کی غزلیہ شاعری کا احاطہ کرنا قابل حصول ہے۔ بدقسمتی سے جموں وکشمیر میں اردو شعروادب کی کوئی تاریخ بھی ابھی تک مرتب نہ ہوسکی۔ یہاں کی شاعری کا تجزیاتی مطالعہ بھی نایاب ہے، اس وجہ سے ہم جیسے طالب علموں کے لیے مستند مواد کی نایابی کا مسئلہ بھی درپیش ہے۔ اس وجہ سے اس مقالے کو غزل کے چند شاعروں تک ہی محدود رکھا گیا ہے۔

اردو غزل کی موجودہ صورتحال یا معاصر اردو شاعری کے زمانے کا تعین کرنا بھی مشکل ہے۔ تاہم وسیع تناظر میں دیکھا جائے تو ترقی پسند یدیت، رومانیت، جدیدیت، مابعد جدیدیت کے ادوار کو بھی معاصر ادب میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً حامدی کاشمیری، حکیم منظور وغیرہ نے اُس زمانے سے شاعری شروع کی ہے جب ہر طرف ترقی پسند یدیت کا غلغلہ تھا۔ حامدی کاشمیری کا انتقال چند مہینے پہلے ہوا اور وہ آخر وقت تک اردو غزل سے وابستہ رہے۔ وہ ہر لحاظ سے معاصر اردو شاعری میں شامل ہیں۔ انہوں نے مندرجہ بالا تمام تحریکات سے شعوری اور غیر شعوری طور پر اثر قبول کیا ہے۔ ا ن کی شاعری میں ترقی پسندی کے چھینٹے بھی ملتے ہیں، ان کے یہاں شروع شروع میں فطرت پرستی، رومانیت کا رجحان بھی نظر آتا

ہے تاہم وہ جدیدیت کے رویے اور رجحان سے خاص طور پر متاثر رہے۔اس کا اندازہ ان کی تمام شعری تخلیقات سے لگایا جاسکتا ہے۔شب خون میں دوسرے جدید شاعروں کی طرح برابر چھپتے رہے انہوں نے اپنی کتاب ''نئی حسیت اور اردو شاعری'' میں جدیدیت کا ایک طرح سے دفاع کرنے کی بھی کوشش کی ہے ۔اس کتاب کا پیش لفظ میں اردو میں جدیدیت کے علمبردار اور اور شب خون کے مدیر شمس الرحمٰن فاروقی نے لکھا ہے۔انہوں نے اپنے ایک مضمون ''میرا تخلیقی سفر'' میں لکھا ہے۔

''میرے رویوں میں (1960 کے
بعد) بنیادی تبدیلیاں آنے لگی۔ میں
نظریاتی کے ملمع کاری کو محسوس کر کے
وجودی خیالات کی اصلیت کے
قریب آنے لگا اور مکاشفانہ آگہی
سے حقائق کا ادراک کرنے لگا۔''

ان کی شاعری کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو محسوس ہوگا کہ انہوں نے مختلف تحریکوں کا اثر لے کر اور جدیدیت کا ہمنوا ہونے کے باوجود اپنے تخلیقی سفر کو کسی ایک ازم یا کسی ایک موضوع تک محدود نہیں رکھا بلکہ موضوعات کا تنوع اور ان کے لسانی برتاؤ کے نت نئے تجربے یقیناً قارئین کو متاثر کرتے

ہیں۔تخلیق کی آزادفضاؤں میں پرواز کرنے کے باوجود وہ کبھی اپنی زمین کی سنگلاخ حقائق سے رشتہ نہیں توڑے پاتے جوانھیں ایک جنیوین شاعر کے درجے سے متعفف کرتے ہیں۔گلاب، بارش، ہوا،موج، برف، آبشار، بادل، شعلہ، چنار، آتش جیسے پیکر ان کی شاعری کو جہاں فضائیت سے جوڑتے ہیں وہی ان کے توسط سے وہ ایک ایسی طلسمی فضا تیار کرتے ہیں کہ جوخواب اورحقیقت کے حسین امتزاج کی منظرکشی کو خلق کرتے ہیں۔

ہے کشتی کا محافظ اب خدا ہی ہوا
وموج میں باہم ٹھنی ہے
روکو نہ میرا رشتہ سرسبز جنگلو
میں دست و پا شکستہ ہوں، پیچھے غنیم ہے

اسی دور کے ایک اور اہم غزل گو شاعر حکیم منظور ہیں جن کے کئی شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں وہ بھی ہمارے قدیم شعری روایات سے جڑنے کے باوجود اپنی ایک منفرد پہچان بنانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ان کی شاعری میں کشمیر کہیں واضح اور کہیں مبہم انداز میں جھلکتا ہے۔وہ مختلف استعاروں، علامتوں اور پیکروں سے واردات عصر و قلب کو زبان دیتے ہیں۔ان کے ہاں بھی کشمیر کی سماجی اور تہذیبی زندگی سے متعلق الفاظ عمومی معنی ومفہوم سے اوپر اٹھ کر نئے تخلیقی العباد سے متصف ہوتے ہیں۔وہ کشمیر

کی یخ بستہ زندگی میں اپنے علائم سے تحرک خیزی کے نادیدہ امکانات کو جنم دیتے ہیں۔ ان کا منفرد لہجہ یقیناً ایک بڑے شاعر ہونے کا پتہ دیتے ہیں۔عرش صہبائی' پرتپال سنگھ بیتاب' ہمدم کاشمیری' سلطان الحق شہیدی' وغیرہ ایسے نام ہے جنہوں نے ریاست جموں وکشمیر میں اردو شاعری کو بالخصوص اور دوغزل کو اپنے اپنے منفرد انداز میں فروغ دینے کی کوشش کی ہے۔ان کے کئی کئی شعری مجموعے منظر عام پر آ کر داد وتحسین حاصل کر چکے ہیں۔ان شعرا کے ہاں جہاں فطرت نگاری' وطنیت' خارجیت اور مقصدیت کا رنگ بھی نظر آتا ہے وہی داخلیت پسندی' علامت اور دورن بینی کی طرف خاصا رجحان دکھائی دیتا ہے۔اس دور کے شعرا پر اردو دنیا کے اہم شاعروں غالب' اقبال' فیض کے اثرات کو بھی بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔ نئے شاعروں میں اشرف ساحل' شجاعؔ سلطان' رفیق رازؔ' شفقؔ سوپوری' فرید پربتی' نظیر آزادؔ' عادلؔ اشرف وغیرہ کے نام خصوصی طور پر لیے جاسکتے ہیں۔

رفیق رازؔ جموں وکشمیر کے شعری افق پر ایک ایسا نام ہے جس نے اپنی سوچ اور انداز وبیان سے اردو غزل میں نیا پن پیدا کیا۔رفیق رازؔ کا تعلق چونکہ ریڈیو کشمیر سے رہا ہے اس لحاظ سے انہیں رسائل وجرائد اور اخبارات کے مطالعے کے ساتھ ساتھ ملکی وغیر ملکی معلومات کا بھر وقت پتہ چلتا تھا یہی وجہ ہے کہ اُن کے یہاں عہد حاضر کے رویے اپنے بھر پور تناظر میں موجود

ہیں۔ان کی غزلوں میں کشمیر کے خارجی منظر نامے کے ساتھ ساتھ یہاں کے داخلی لینڈ اسکیپ کو بھی محسوس کیا جاسکتا ہے۔مثلاً

ہر سمت پھیلا ہوا ہے دھواں سا
روشن ہے کچھ کرب آوارگاں سا
پاؤں کے نیچے تو دھرتی نہیں ہے سر پر
ہے موجود اک آسماں سا
چاورں اور کے منظر شعلہ شعلہ ہیں
بیچ میں گُم صُم دھواں دھواں ہے میری سوچ
جسم کے دشت میں ویرانی جاں بولتی ہے
فرق یہ ہے کہ کوئی اور زباں بولتی ہے

ان اشعار کے مطالعے کے بعد یہ برملا کہا جاسکتا ہے کہ رفیق راز کے انداز بیان اور طرز اسلوب کی قوت نے شعروں میں ایسی جان اور رمق پیدا کر دی ہے جو صرف اُن سے ہی منسلک ہے۔ رفیق راز نے بعد میں اپنا سارا زور کشمیری غزل پر آزمایا اور کشمیری شاعری میں کئی ایوارڈ بھی حاصل کئے تاہم اردو غزل میں بھی اُن کا معیار بہت بلند ہے۔آج بھی وہ اگر (صحت کی ناسازگاری کے باوجود) کہیں مشاعرے میں شرکت کرتے تو پورا مشاعرہ لوٹ لیتے ہیں۔اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ وہ زندگی کے حقائق اور حیاتِ انسانی کے اسرار و رموز کو اس طرح موضوع

بناتے ہیں کہ زندگی کا ہر شعبہ اپنی رنگارنگی کے ساتھ بے نقاب ہوتے ہے۔ڈاکٹر مشاق وانی نے اُن کے کلام پر تنقیدی نظر ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''رفیق راز کی شاعری
انکشاف ذات کی شاعری کہی
جا سکتی ہے ۔وہ اس لئے کہ
ان کا ذہن خارج سے داخل
کی طرف محوئے سفر رہتا ہے۔
فنی دور بست،فکری تازگی ،نئی
تراکیب ،فنی ارتکاز یہ یہ سبھی
چیزیں مل کر ان کے لہجے کی
تخلیقی قوت کو اُجاگر کرنے میں
معاون ثابت ہوتی ہیں''

اب تک رفیق زار کے دو شعری مجموعے ''انہار'' اور ''مشراق'' شائع ہو کر داد وتحسین حاصل کر چکے ہیں۔

ریاست جموں وکشمیر میں معاصر اردو غزل کی ایک اور منفرد آواز نذیر آزاد کی ہے۔جو اپنے مخصوص طرز تحریر اور جداگانہ فکر کی بدولت ادبی حلقوں میں اپنی شناخت رکھتے ہیں۔'نغمۂ زنجیر پا' کے نام سے اُن کا شعری مجموعہ منظر عام پر

آ کر داد وتحسین حاصل کر چکا ہے۔آزادؔ اپنے دورِ حاضر کے حساس اور نبض شناس انسان ہیں۔انہوں نے زندگی اور گردوپیش کا نزدیک سے مشاہدہ کر کے اُسے اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔وہ اپنے جذبات واحساسات کا نہایت ایمانداری کے ساتھ نرم وسبک لہجہ میں بیان کرنے کا فن جانتے ہیں۔انہوں نے غزل کی شاعری کو زندگی کی شاعری کے طور پر برتا ہے۔اس لئے آپ کی غزلوں میں دلکشی ودلاویزی کے ساتھ ساتھ اُن کی فکری،سنجیدہ اور معنی خیز لہریں موجزن نظر آتی ہیں۔ ؎

دُعا ہے دل سے نہ تھا دل کا فاصلہ سا کچھ
خدا سے بول رہا کہیں ذرا سا کچھ
حسینؓ آئیں تو کر جائیں فیصلہ اِس کا
ہمارے شہر میں برپا ہے کربلا سا کچھ

☆☆

سب طائرانِ غم بیٹھے تھے فصیلِ دل پر
نظریں لگی تھیں سب کی دستِ کفیلِ دل پر

نذیر آزادؔ نے عشق ومحبت کے نازک اور لطیف جذبات اور اُن کے اُتار و چڑاؤ کی تصویر کشی باوقار پیرائے میں کی ہے۔دلی کیفیات کو اس طرح لفظیات کا جامہ پہنایا ہے کہ قاری کے دل پر ایک کیف وسرور کی سی سرشاری

چھا جاتی ہے۔ ؎

ہمارے خانۂ دل میں وہ جگنو بن کے آئے گا
مگر تب کچھ زیادہ رات کالی ہوئی ہوگی
کوئی تاریک جزیرہ ہے تیرا جسم ابھی
بو بن کر تری رگ رگ میں اُتر جاونگا

آزادؔ کی شاعری پر حامدی کاشمیری نے یوں اپنے خیالات کا اظہار کی ہے:

''خوشی اس بات کی ہے کہ
نذیر آزادؔ روایت کا صحتمند شعور
رکھتے ہیں اور ساتھ ہی وہ
الفاظ سے پیکر تراشی کا کام
لیتے ہیں۔ یہ سنگ سے آئینہ
سازی کا عمل ہے۔ نذیر آزادؔ
آئینہ سازی کے اس عمل میں
تن دہی سے مصروف ہیں۔''

فریدؔ پربتی ریاست کے شعری روایات کا ایک اہم نام ہیں۔ وہ نہ صرف ریاستی سطح پر بلکہ ملکی سطح پر اپنی ایک الگ شناخت رکھتے ہیں۔ بالخصوص اردو کی مشکل صنف 'رباعی' میں انہیں دیر تک یاد کیا جائے گا۔ صنفِ غزل میں

'ابرِ تر'، 'گفتگو چاند سے' اور 'ہزار امکاں' آپ کے فن کا اعتراف ہے۔ان کے کلام میں تنوع ہے۔انہوں نے بے شمار موضوعات کو موضوع سخن بنایا۔وہ ایک طرف کلاسیکی غزل سے اپنا رشتہ برقرار رکھتے ہیں وہیں دوسری جانب عصر حاضر کے مسائل پر بھی نگاہ ہے۔ان کی غزلوں میں فکری سطح پر وہ تمام موضوعات شامل ہیں جن سے زندگی عبارت ہے۔ ذہن کا کرب' گردوپیش کا غم اور مجبوریوں کا ماتم' سماج اور معاشرت کی اونچ نیچ کی تلخی' غرض فرید پربتی نے زندگی کو ایک شاعر کی آنکھ سے دیکھا ہے اور پھر انہی تجربات اور مشاہدات کو شعر کے قالب میں ڈھال دیا۔اُن کی فکری سطح جدت کی حامل ہے۔بقول جاوید آذر:

''فرید زندگی کے کافی قریب
ہے۔ان کی شاعری میں عصرِ
حاضر کی تمام تلخیاں، محرمیاں
اور بے معنویت ایک ایسے
اظہار کے قالب میں ڈھلی
ہیں جو غزل کا مرغوب تر اظہار
ہے،۔۔۔۔۔فرید زندگی کے
کرب کو محسوس کرتے ہیں اور

تب کہیں جا کر اپنے تجربے کو
نوکِ قلم پر لاتے ہیں۔''

فریدؔ پر بتی کو زبان و بیان اور عروض و آہنگ پر پوری دسترس حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ زبان و بیان کے معاملے میں بہت محتاط واقع ہوئے ہیں۔ استعاروں کا خوبصورت استعمال، بے مثل تراکیب اور جدت ادا اُن کے منفرد اور جداگانہ اسلوب کا غماز ہے۔

اُن کے چند اشعار دیکھیں:

قدم قدم پہ بکھرتا ہوں ٹوٹ جاتا ہوں
نہ راس آتا ہے مجھ کو ذرا یہ دور نیا

☆☆

بات کوئی ضرور ہوگی فریدؔ
یاد وہ بے سبب نہیں آتے

☆☆

ستم گری کا نکالا ہے اس نے طور نیا
پرانے زخم پہ دیتا ہے زخم اور نیا

☆☆

مقام صبر و رضا ہو کہ راہِ حق کی تلاش

حسینؑ ابن علیؑ کا یہ قافلہ آ گے

☆☆

خریدوں گا میں اب سایہ کہاں پر
کہ بکتی دھوپ ہے ایک اِک دکان پر

☆☆

دورانِ گفتگو نیا پہلو نکل پڑے
میں آپ کہنا چاہوں مگر تو نکل پڑے

☆☆

1990ء کے بعد ریاست میں جن شاعروں نے غزل مے میدان میں نام کمایا اُن میں شفق سوپوری کا قابل ذکر ہے۔شفق سوپوری ایک ایسے شاعر ہیں جنہوں نے غزل کے مزاج کو مدنظر رکھتے ہوئے زمانے کے حالات کا حقیقی چہرہ واضح شکل میں سامنے لایا۔ وہ الفاظ کا سلیقہ جانتے ہیں جس کی وجہ سے اُن کے ہاں سادگی و پرکاری کے ساتھ ساتھ گہرائی و وسعت جیسی شعری خصوصیات جنم لیتی ہیں۔شفق سوپوری درس وتدریس سے وابستہ ہیں اس لحاظ سے انہیں الفاظ کے انتخاب اور برتاؤ پر خاص دسترس حاصل ہے۔اُن کی لفظیات اور موضوعاتی انفرادیت پر گفتگو کرتے ہوئے حامدی کاشمیری لکھتے ہیں:

"کشمیر کی نئی نسلوں میں شفق
سوپوری نہ صرف نسبتاً گہرے
شعور کا احساس دلاتے
ہیں بلکہ وہ لفظ و پیکر کی فراوانی
اور تازہ کاری کا احساس بھی
دلاتے ہیں۔ اُن کی شعری
فضا میں حد بندی، یک رنگی
اور گھٹن کا احساس نہیں ہوتا
ہے۔ بلکہ آزادی، توسیع اور
رنھارنگی کا احساس ہوتا ہے اور
یہ خاصیت نئے شعراء میں کم
ملتی ہیں۔" (یہ تاثر حامدی
کاشمیری نے شفق سوپوری
کے پہلے شعری مجموعے
پر 1991 میں لکھا ہے۔)

شفق سوپوری کی غزلوں میں ماحول کی ترجمانیاں، غم عشق کی کارستانیاں اور غم زندگی کی جلوہ سامانیاں انفرادیت کی لباس میں قاری کی توجہ اپنی طرف

مبزول کراتی نظر آتی ہیں۔ ملاحظ ہو چند اشعار ؎

یہ عشق بھی عجیب ہے اک آن ہو گیا
انسان ساری عمر کو حیران ہو گیا

پہلے باتیں پیاری پیاری کرتا ہے
پھر وہ دلوں پر دہشت گردی کرتا ہے

ڈوبنے والا کیا نہ کر ڈوبے
ہاتھ اوپر کرے تو سر ڈوبے

تیری آواز مقدس ہے مگر میرے ضمیر!
بھوک کے آگے اس آواز کی کیا چلتی

وہ بند کھڑکیوں میں خاموشیوں کی بستی
میں رات بھر صدائیں دیتا ہوا مسافر

ہم اپنی شورشِ ہنگامۂ جنوں کے سبب
فسادِ دورِ زماں ہیں، کوئی بتاؤ ہمیں

اب تک شفق سوپوری کے کئی شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں جب میں 'دلِ خاک بسر' اور 'دشت میں دور کہیں' کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔

ریاست کے معاصر اردو غزل میں کے مطالعے کے دوران چند نئے شاعروں کا نام بھی نظر آتا ہے جنہوں نے غزل کے میدان میں اپنے ان

مٹ نقوش چھوڑے ہیں. اُن میں اشرف عادل کا نا سرفہرست ہیں۔ اشرف عادل کے اب تک دو شعری مجموعے شائع ہو کر مقبولیت حاصل کر چکے ہیں۔ عادلؔ اپنے کلاسیکی اور جدید طرز سخن کے باعث اپنی پہچان رکھتے ہیں۔ وہ اپنی بات موثر اور دل پزیر انداز میں کہنے کا ہنر جانتے ہیں۔ اُن کی غزلوں کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کی شاعری میں وسعت و ہمہ گیری کے ساتھ ساتھ حسن و عشق بھی ہے اور فکر کی گہرائی بھی۔ عصر حاضر کے درد و کرب کے ساتھ ساتھ بدلتے منظر پر بھی اُن کی نگاہ ہے۔

بستیوں پر قہر برسایا گیا
ایک گھر کیا شہر سارا چیخ اٹھا

☆☆

گل تر اور ہوا کے ساتھ خوشبو
پریشان ہے صبا کے ساتھ خوشبو

☆☆

دل جلایا تیرگی رات بھر
منہ چھپایا روشنی نے رات بھر
جل رہا تھا شہر اپنی فکر میں

دل بجھایا شعلگی نے رات بھر

نئے شاعروں میں پرویز مانوس نے اپنا الگ انداز قائم رکھا ہے۔انہوں نے غزل کو بھرپور توجہ دی اور اعتماد کے ساتھ اظہار و ابلاغ کا وسیلہ بنایا۔ پرویز مانوس کے اب تک چار شعری مجموعے ''بیتے لمحوں کی سوغاتیں''موسم اُڑان کا''''چاند لمس گُلاب''اور''فصیل شہر سے''شائع ہو چکے ہیں۔مانوسؔ غزل اور نظم دونوں میں اپنا اظہار پورے تخلیقی وفور کے ساتھ کرتے ہیں۔ان کی قابلیت اور ذہانت کا اندازہ شبیب رضوی کے اس اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے:

> وہ عام طور پر انسان سے
> جڑے خارجی مسائل پر
> دھیان دینا اور توجہ مرکوز کرنا
> ضروری سمجھتے ہیں۔وہ حواسے
> خمسہ کے وسیلے سے جو کچھ
> ادراک کرتے ہیں اس سے
> پیرائے کی تازگی دے کر غزل
> کی ہئیت میں پیش کر دیتے
> ہیں''۔

پرویز مانوس نے اپنی شاعری میں اپنی ذات کے ساتھ ساتھ کائنات کے مسائل کا بھی احاطہ کیا ہے۔ ان کے یہاں اشعار معانی کی سطح پر سادہ اور رواں ہے۔ مانوسؔ کے اشعار میں لفظوں کے سہارے حقیقت کو عیاں کرنے کی قوت موجود ہے۔ ان کی نگاہ سماج کے اُن باریک اور نازک پہلوؤں کی طرح گئی ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے تخیل میں تحیر کا عنصر کس حد تک ہے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے اشعار کچھ ان کے انداز بیان کی وجہ سے، کچھ عہد حاضر کے درد کرب سے اور کچھ فکر وخیال اور سچائیوں کی وجہ سے قاری کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ انہوں نے اپنے گہرے مشاہدے کی بدولت سماج کے ان پہلوؤں کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا جو عام آدمی سے وابستہ ہیں۔ ؎

بسانے شہر جو آئے تھے گاؤں کو بھلا بیٹھے
مہکتی بھائی چارے کی فضاؤں کو بھلا بیٹھے
چڑھا جب عقل پر اپنی نئی تہذیب کا غازہ
کسی کی چُلبلی نازک اداؤں کو بھلا بیٹھے
جنہیں بھیجا تھا کنگن بیچ کر باہر کمانے کو
وہ مالا مال ہو کر بوڑھی ماؤں کو بھلا بیٹھے

☆☆

لیاقت جعفری ریاست کے ادبی حلقوں میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔اُن کے یہاں زندگی اپنی مکمل معنویت کے ساتھ جلوہ گر ہے۔اُن کی غزلوں کے مطالعے سے اُن کی فکری روش کے متعدد پہلوؤں پر نظر پڑتی ہے۔بات کہنے کا منفرد انداز، نئی علامتیں، نئی تشبیہیں اور جذبات کی ترجمانی اور سچائیوں کا بھرپور اظہار لیاقت جعفری کی غزلوں کا خاصا ہے۔نمونے کے طور پر لیاقت جعفریؔ کے درج ذیل اشعار ملاحظہ کیجیے ۔

کوئی مجنون نہیں، فرہاد میرا کوئی نہیں
مقتلِ عشق میں ہمراز میرا کوئی نہیں

☆☆

میرے لکھے ہوئے ہر لفظ کو جھٹلاتا ہے
مجھ سے بڑھ کر کوئی فن کار ہے میرے اندر

☆☆

زلزلہ تھمنے کے فوراً بعد اِک ٹھہراؤ تھا
اور اُس ٹھہراؤ میں بھی زلزلہ موجود تھا

ریاست جموں وکشمیر میں نئے لکھنے والوں میں ایک نام سلیم ساغرؔ کا ہے جو پچھلے ایک دہائی سے لگاتار لکھ رہیں ہیں۔غزل کے علاوہ صنف رباعی میں ایک پہچان قائم کی ہے۔بقول جاوید آزادؔ ریاست میں فرید پربتیؔ کے

بعد سلیم ساغرؔ رباعی کا دامن تھامے ہوئے ہیں۔اب تک سلیم ساغرؔ کے ایک شعری مجموعہ 'انتظار اور سہی' شائع ہو چکا ہے۔ ساغرؔ بہت خاموش طبعیت آدمی ہیں لیکن تخلیقی اظہار کے پیرائے پر وہ خاموش نظر نہیں آتے ہیں۔انہوں نے زندگی اور سماج کے تقریباً ہر پہلو کو موضوع سخن بنایا ہے۔اُن کی غزلیں عشقیہ جذبات کی حامل بھی ہیں اور دور جدید کے انسان کا المیہ بھی ہیں۔ ریاستی کلچرل اکاڈمی سے وابستگی کے سبب لگاتار مطالعے سے انہیں زبان پر کافی عبور حاصل ہوا ہے۔اس وجہ سے غزلوں میں صنعتوں کا خوب استعمال کرتے ہیں۔وہ جب اپنے احساسات اور جذبات کو الفاظ کا روپ دیتے ہیں تو قاری پر ایک سرشاری چھا جاتی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کریں۔

ہر ردکیا اُس نے مرے نام سے منسوب
اُلفت میں مری ذات ہے الزام سے منسوب

☆☆

صبح تو نور سا چہرے پہ بکھر جاتا ہے
کیوں سرِ شام یہ چہرہ بھی اُتر جاتا ہے

☆☆

کوئی نہ ہوتی کہانی نہ کوئی افسانی
تمام لوگ جو چہرہ کتاب رکھ دیتے

☆☆

آؤ دیکھو کہ بدلتا ہے زمانہ اے دوست
اس طرح جیسے کبھی خواب نہیں دیکھا تھا

جموں وکشمیر میں معاصر اردو غزل میں بشیر احمد بشیرؔ، مقبول ساحلؔ، قتیلؔ مہدی، روف راحتؔ، عرفان عارفؔ، پاشا جیؔ، فاروق فداؔ، وحید مسافر، شبیہ الحسن قیصرؔ، اقبال صدیقیؔ، اطہر بشیر، سید لیاقت نیرؔ، محتشم احتشام، یاسین سمبلی وغیرہ ایسے نام ہیں جن کی غزلیں فکر وخیال کی ندرت اور لہجے کی تازہ کاری کا احساس دلاتی ہیں۔ اُن کی غزلوں میں غزل کے فنی لوازمات اور سماجی و معاشرتی نشیب وفراز کے ساتھ ساتھ کشمیر کی داخلی زندگی کی مختلف کروٹوں کو بھی محسوس کیا جاسکتا ہے۔

نئے اردو شاعروں میں شاعرات کی ایک اچھی خاصی تعداد نظر آتی ہے۔ ان میں رخسانہ جبین، شبنم عشائی، شفیقہ پروین، نصرت چوہدری، راجہ بانو وغیرہ کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ ان کا تانیثی لہجہ بہت متاثر کرتا ہے۔ اگرچہ ان کے تانیثی لہجے میں وہ احتجاج نظر نہیں آتا ہے جو تانیثیت کا خاصا ہے۔ تاہم ان کا دھیما لہجہ بھی عورت کی بے بسی، محکوم اور خاموشی کو خوبصورت طریقے سے اجاگر کرتا ہے۔

رخسانہ جبین ریاست کی ہمعصر شاعرات میں نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ ریڈیو کشمیر سے وابستگی کے سبب وہ مشاعروں میں بہ آسانی شرکت کرتی رہتی ہے۔اس طرح انہیں ریاست کے ادبی حلقوں میں کافی شہرت نصیب ہوئی۔رخسانہ جبین کا کلام ملکی اخبارات و جرائد کے علاوہ غیر ملکی جرائد کی زینت بنتا رہتا ہے۔اُن کی شاعری فکری اور فنی اعتبار سے جدید کہی جاسکتی ہے۔مطالعے کے شوق کے سبب انہیں کلاسیکی ادب سے ہمیشہ قربت رہی ہے۔انہوں نے اپنے تجربات کے وسیلے سے غزل جیسی روایتی صنف میں بھی جداگانہ روش نکالنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ان کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے ڈاکٹر مشتاق وانی لکھتے ہیں:

''رخسانہ جبیں کی غزل کی
بنیادی خوبی ان کی سادگی
ہے۔عام طور پر وہ پیچیدہ اور
مبہم علامتوں اور استعاروں
کے استعمال سے پرہیز کرتی
ہیں اور جو علامتیں وہ لاتی ہیں
ان کا سماجی اور تہذیبی پس
منظر قاری کی سمجھ میں آتا

ہے۔ اس اعتبار سے رخسانہ
جبیں کی غزل۔ جدید تر غزل
کی سادگی اور سہل بیانی کی عمدہ
مثال کہی جاسکتی ہے۔''

رخسانہ جبیں عصری حقیقتوں اور اُن سے پیدا ہونے والے جمالیاتی احساس کو ہنر مندی کے ساتھ تصویر کشی کرتی ہے۔ نازک خیالات' لطیف جذبات اور حسین احساسات کو شعری پیکروں میں ڈھالنے کا فن رخسانہ جبین خوب جانتی ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ۔

اب کے تالاب میں پھینکوں گی میں ایسا پتھر
شور گہرائی میں اور سطح سلامت ہوگی

ہمارے زخم نہ آنسو ہی دیکھے جاتے ہیں
وہ مہرباں ہے تو کیوں حکمِ بے زبانی ہے

بدلتی رُت کے تقاضوں سے تو پریشاں ہے
میں مطمئن ہوں خدا نے مزاج سادہ دیا

کوئی سمجھا دے ساحل پر ماتم کونے والوں کو
اپنی مرضی سے کشتی کو اس گرداب میں ڈالا ہے

شفیقہ پروین ریاست کی ایک معتبر شاعرہ ہیں۔ وہ پچھلے دو دہائیوں سے لگا تار لکھ

رہی ہیں۔غزلوں کے علاوہ نظمیں بھی لکھی ہیں اور دونوں میں برابر کا درجہ حاصل کیا ہے۔انہوں نے زندگی میں جو کچھ دیکھا اور محسوس کیا' اسے شعری سانچوں میں اس طرح ڈال دیا کہ اُن کی شعور کی بالیدگی نمایاں ہوتی ہے۔ان کی غزلوں میں عصری حسیت پورے طور پر جلوہ گر ہے۔بدلتے سماجی اقدار سے پیدا شدہ تبدیلیوں کو بھی اُنہوں نے اپنی نگاہ کا مرکز بنایا ہے۔دو اشعار ملاحظ ہوں ۔

مجھ کو لے آئی ہیں صحرا میں کسی
کی خوشبوئیں
اُڑ رہی تھی وہ جو مہکی سی ہوا
تیری ہی تھی

بڑی مدت میں تپتی دھوپ
میں جلتی رہی لیکن
میری دہلیز کے باہر کا منظر لے
گیا کوئی

عورت سے وابستہ مسائل' جذبات' وفاداری' گھریلو زندگی اور داخلی فضا کی تصویریں بھی اُنہوں نے اپنی غزلوں میں کھینچی ہیں۔عورتوں کی جڑے تلخ اور برہنہ حقیقتیں ان کے یہاں شعری لباس پہن کر سامنے آتی ہیں۔

نسرین نقاش ریاست میں اردو غزل کی ایک کامیاب شاعرہ تسلیم کی جاتی

ہیں۔'دشت تنہائی'، 'لہو پکارتا ہے' اور 'روحیں چناب کی' اُن کے تین شعری مجموعے ہیں۔جن کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے جو کچھ بھی لکھا ہے سوچ سمجھ اور سنبھل کر لکھا ہے۔اُن کے یہاں خیال کی تازگی بھی ہے اور کلاسیکی رچاؤ بھی' ذات کا کرب بھی ہے اور معاشرے کی جلوہ سازی بھی' جذبے کی ترجمانی بھی ہے اور احساس کی شدت بھی' نسوانی جذبات و احساسات کی عکاسی بھی ہے اور ہجر کی اذیتیں بھی' زبان کا چاؤ بھی ہے اور فکر کی توانائی بھی' غرض غزل کے لیے جو خوبیاں ضروری گردانی جاتی ہیں وہ ساری خوبیاں نسرین نقاش کی غزلوں میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ ؎

انسان نما لگا مجھے رنگ و لباس سے
دیکھا نہیں اگرچہ اُسے میں نے پاس سے

☆☆

یہ فرمان ہے اہل فکر و نظر کا
محبت کی دولت ہوس میں نہیں ہے

☆☆

اے زندگی نہ گزرنا ہماری گلیوں سے
ابھی ہمارے جنازے گھروں میں رکھے ہیں

☆☆

پہنے خوشی کے ہار سبھی نے مگر مجھے
غم بھی نہ راس آیا یہ میرا نصیب ہے

نصرت چودھری اگر چہ ہمارے درمیان نہیں ہیں تاہم انہوں نے اپنی غزلوں میں نئے تجربات کے نئے سانچے میں خاموشی کے ساتھ اپنے ذاتی تجربات، جذبات اور مشاہدات کو شعری پیکر میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے عورتوں کے مسائل، اُن کی گھریلوں ذمہ داریوں اور سماجی تلخیوں اور کھردری حقیقتوں کو بڑی ہوش مندی اور فنی گرفت کے ساتھ بیان کرنے کا انداز اُن کی قابلیت اور قوت مشاہدہ کا پتا دیتی ہے۔ اُن کا ایک شعری مجموعہ 'ہتھیلی کا چاند' شائع ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو چنا اشعار۔

دھندلا سا ایک نقش ہوں اِک
اَن کہی سی بات
چہرے کی اِس خوشی سے اُجاگر
نہیں ہوں میں

تھی مصلحت یہی کہ اُسے میں
بھلا سکوں
میں بُت کہاں تراشتی،
آزر نہیں ہوں میں

☆☆

ان سے مل پاؤں کبھی ایسا
اشارہ مانگوں
میں سمندر میں کھڑی ہو کے
کنارہ مانگوں
لمحہ لمحہ مجھے سولی پر
چڑھانے والو
تم سے کس منہ سے میں جینے کا
سہارا مانگوں

پروین راجہ کی دو دہائیوں پر مشتمل غزلیہ شاعری اُن کی فکری ذہانت، عصری حسیت اور لب و لہجے کی شگفتگی کا نمونہ ہے۔ان کی شاعری میں جو خصوصیت زیادہ متاثر کرتی ہے وہ عصر حاضر کی دنیا کے مسائل پر اُن کی توجہ برابر مرکوز ہے۔نسوانی طرز و آہنگ اور ذاتی درد و کرب کا بھی جگہ جگہ اظہار ملتا ہے۔ چند اشعار ملاحظ ہوں ؎

یہ کس کس لہو کی ہے روانی
بتا اے کاشمیر جنت نشانی

☆☆

دیکھ آنکھوں کے دیے میں نے جلائے جابجا
خواب کی دہلیز پر تم کو خفا کس نے کیا

☆☆

یہ ارض کاشمیر میں کون آیا
سنائی دے رہے گریاں پرندے

ان مزکورہ شاعرات کے علاوہ اور بھی نام ہیں جنہوں نے نہ صرف نسوانی جذبات کی ترجمانی کی بلکہ اُن کے یہاں موضوعاتی سطح پر بھی تنوع ملتا ہے۔جدید زندگی کی بے بسی،تنہائی اور ذات کے کرب کو انہوں نے شاعرانہ آنکھ سے محسوس کر کے بڑے سلیقے سے شعری میں پیکر میں ڈال دیا ہے۔ان شاعرات میں درخشاں اندابی،واجدہ تبسم،روبینہ میر،وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

ریاست میں نئے شعراء کے تخلیقی ذہن کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ ریاست میں اردو شاعری بالخصوص اردو غزل کا مستقبل بہت تابناک ہے۔نئے شعراء دل کی بات بیان کرنے کا سلیقہ رکھتے ہیں، حالات حاضرہ پر بھی قلم کا خوب استعمال کرتے ہیں اور یہاں کے تہذیب وتمدن اور طرز زندگی کی عکاسی بھی کرتے نظر آتے ہیں۔اپنے مضمون کو اقبالؔ کے اس مصرعے سے اختتام کرتا ہوں ۔

ذرا نم ہو تو مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

☆☆☆